# کشمیر میں اسلامی علوم کا عروج وزوال

ڈاکٹر سید محمد فاروق بخاری لکچرر عربی امر سنگھ کالج سرینگر (کشمیر)

(۲)

مورخ مذکور آگے لکھتا ہے کہ تمام گاؤں اور قصبوں میں دیوی دیوتاؤں کی پرستش کی جانے لگی۔ ان کی مورتیاں نصب کی گئیں جشن منائے جانے لگے جس میں طرح طرح کے غیر مہذب اعمال کا ظہور ہونے لگا[۱] غرض سلطان زین العابدین مسلمان ہونے کے باوجود غیر مسلموں کے لئے بڑا روادار ثابت ہوا۔ اس رواداری سے اس کی اپنی مذہبی زندگی بھی کبھی کبھی متاثر ہوتی تھی وہ اہل ہنود کی سرور وسرود کی محفلوں میں خود بھی جاتا تھا اور ذاتی طور پر ایسی ہی محفلیں منعقد کرتا تھا۔ ایک بار زینہ لنک (متصل جھیل ڈل سرینگر) میں ایسی ہی ایک محفل منعقد کی جس میں سلطان کے علاوہ مشہور شیخ طریقت شیخ محمد امین اویسیؒ بھی موجود تھے مگر جونہی محفل میں غیر شرعی حرکات کا اظہار ہونے لگا تو وہ مجلس سے اٹھ گئے اور دریا میں چھلانگ ماری[۲]۔

زین العابدین انتہائی درجے کا علم دوست بادشاہ گزرا ہے اور اس وصف میں اس کا شمار دنیا کے معدودے چند بادشاہوں میں کیا جا سکتا ہے[۳]۔ وہ خود بھی فارسی، ترکی، تبتی، کشمیری اور سنسکرت زبانوں کا عالم تھا۔ فارسی کی راہ سے وہ عربی سے بھی واقفیت رکھتا تھا۔ مولوی غلام حسن کے اس بیان سے بھی سلطان کی عربی دانی کی تصدیق ہوتی ہے ۔

---

[۱] بہارستان شاہی (قلمی) اس بیان میں سخت مبالغہ ہے ۔

[۲] تاریخ خلیل مرجان پوری (قلمی، نسخہ ریسرچ لائبریری سری نگر

[۳] طبقات ناصری ج ۳ ص ۹ ۳ ۴ و فرشتہ ج ۲ ص ۴ ۴ ۳

| | |
|---|---|
| کتبِ احادیث از حرمین الشریفین بکمالِ ہوس طلب داشتہ در مطالعۂ آں ہمیشہ مشغول می بود [۱] | علم حدیث کی کتابیں حرمین شریفین سے شوق و ذوق سے منگواتا اور ہمیشہ انہماک سے ان کا مطالعہ کرتا تھا۔ |

یہ بھی منقول ہے کہ سلطان نے نثر میں دو کتابیں لکھی ہیں۔ سخن گوئی کا ذوق بھی تھا اور شاعری میں قطب تخلّص رکھتا تھا [۲]

<u>مدرسۂ سلطان زین العابدین</u>:- نوشہرہ (سرینگر) میں جہاں سلطان کی رہائشگاہ تھی، ایک عظیم الشان یونیورسٹی قائم کی جس نے عرصۂ دراز تک دینی عربی علوم اور مختلف فنون و آداب کی گرانقدر خدمات انجام دی۔ اس دارالعلوم کے پہلے صدرِ مدرس شیخ کبیر نحوی تھے جو سلطان کے عہد میں کشمیر کے شیخ الاسلام بھی تھے۔ اس دارالعلوم کے مشہور اساتذہ میں مُلّا احمد کشمیری، حافظ بغدادی، شیخ پارسا بخاری، شیخ جمال الدین خوارزمی (قاضی القضاۃ) میر علی بخاری اور شیخ یوسف رشیدی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ ان علماء نے کشمیر ہی میں مستقل سکونت اختیار کی تھی اور یہیں مدفون بھی ہیں۔

<u>دارالترجمہ</u>:- مدرسۂ نوشہرہ کے ساتھ سلطان نے ترجمہ کا ایک مستقل ادارہ بھی قائم کیا، اور اس کے مصارف پرکئی گاؤں کی آمدنی وقف رکھی۔ سلطان نے عرب و عجم سے مخطوطات منگوائے ان کے حصول کے لئے اس نے کوئی بھی معاوضہ ادا کرنے سے احتراز نہ کیا۔ مسلمان بادشاہوں کے ساتھ اس نے سفارتی روابط قائم کیے۔ انہیں کشمیر کے تحائف بھیجتا اور مخطوطات حاصل کرتا تھا۔ جب سلطان کو علم ہوا کہ مکہ مکرمہ میں علامہ جاراللہ زمخشری کا اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا تفسیر کشاف کا نسخہ موجود ہے تو سلطان نے ایک کاتب کو کثیر رقم دے کر مکہ روانہ کیا تاکہ وہاں سے اس مستند نسخہ کی نقل لے آئے۔ جب کاتب دو سال کے بعد یہ نقل لے کر کشمیر واپس آیا تو اس کا گرمجوشی کے ساتھ استقبال کیا گیا۔ شعرائے وقت نے اس کی مدح میں قصائد کہے تاریخی کتابوں میں ایک قصیدے کا مطلع اس طرح نقل ہوا ہے۔

---

[۱] تاریخ حسن ج ۲۔ ص ۱۹۵۔

[۲] کشمیر بعہدِ سلاطین (انگریزی طبع دوم)، ص ۹۱: ڈاکٹر محی الدین صوفی کے نزدیک قطب۔ سلطان قطب الدین کا تخلّص تھا۔ قرینہ ڈاکٹر صوفی ہی کی تائید کرتا ہے۔

شد رواز مدینہ توبہ ہر بان آمد رنجوری اہلِ دین بہ درمان آمد

سلطان کا یہ دار الترجمہ سلطان فتح شاہ (۱۵۱۵ء تا ۱۵۱۷ء) کے عہد تک موجود تھا بعد میں اندرونی خلفشار اور فرقہ وارانہ فسادات کا نشانہ بنا۔

سلطان کے عہد کی علمی وادبی سرگرمیوں کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کا درباری عالم "بودھا بٹ" نہ صرف وید وں کا بلند پایہ عالم تھا بلکہ فارسی زبان میں بھی مہارت کاملہ رکھتا تھا۔ اس نے فردوسی کی شاہنامہ زبانی یاد کی۔ ایک دوسرے ہندو عالم "شری ور" نے یوسف زلیخا کا سنسکرت میں ترجمہ کیا۔ اسی طرح مُلّا احمد علامہ عربی و فارسی کا عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سنسکرت کا بھی فاضل تھا۔ اس نے سنسکرت میں اس قدر رسوخ واتقان حاصل کیا تھا کہ سنسکرت کی مشہور کتابیں جیسے "راج ترنگنی" اور مہابھارت فارسی زبان میں منتقل کیں۔ موصوف نے بحرالاثمار کے نام سے ایک تاریخِ کشمیر بھی لکھی تھی۔

<u>مدرسۂ اسلام آباد</u>:۔ زین العابدین کے عہد کے مشہور مدارس میں اسلام آباد کا ایک مدرسہ بھی قابلِ ذکر ہے۔ اس مدرسہ کے ناظم غازی خان تھے۔ اسی دَور میں سیالکوٹ میں ایک مدرسہ کی شہرت ہوئی۔ سلطان کی طرف سے سالانہ لاکھوں روپیہ بطور امداد یہاں پہنچتا تھا بلکہ زین العابدین کی بیوی نے اپنے گلے کا ہار بھی دے دیا تھا۔ سلطان نے کئی ہوسٹل بھی تعمیر کئے جن میں طلباء کی رہائش، خورد ونوش اور تعلیم وتدریس کا بلامعاوضہ انتظام تھا۔ غرض اسی سنہری دَور میں ہرات وعراق وغیرہ کے طلباء بھی علم حاصل کرنے کیلئے کشمیر وارد ہو رہے تھے۔

<u>سلطان زین العابدین کے بعد</u>:۔ زین العابدین کے بعد دودمانِ شاہمیرے حکمرانوں کو مزید چھپن سال تک حکومت کرنے کا موقع ملا۔ اور نو سلاطین یکے بعد دیگرے تخت وتاج کے مالک ہوئے۔ مگر یہ سابا قدر

---

تاریخ بڈشاہی۔ منشی محمد الدین فوق لاہوری:۔ ص ۳۶۲-۳۶۳۔

ڈاکٹر صوفی (انگریزی) ج ۲ ص ۳۴۲-۳۴۸۔

ڈاکٹر صوفی (انگریزی) ج ۲

سیاسی زوال اور باہمی آویزش کی نذر ہوا۔ اس کے علاوہ آنے والے حکمرانوں میں وہ علمی ذوق بھی مفقود تھا۔ جس سے سابقہ سلاطین کے دل آباد تھے۔ انہوں نے سارا وقت حریف کو نیچا دکھانے اور اقتدار کی لگام کو تھامے رہنے پر صرف کیا۔ شاہزادوں کی باہمی رقابت زین العابدین کے آخری ایام ہی میں رونما ہوئی تھی۔ اسی وجہ سے سلطان کے آخری ایام میں تلخی اور رنجش کی آمیزش نظر آتی ہے۔ خود اس کا بیٹا حیدر شاہ (۱۴۷۰ء تا ۱۴۷۲ء) بڑا ہی رنگیلا اور عیش پرست ثابت ہوا۔ مولوی غلام حسن کھویہامی نے لکھا ہے۔

سلطان شب و روز در لہو و لعب مخمور و مسرور ماندہ اوضاع اجدادِ خود درہم برہم ساختہ[۱] حدیہ ہوگئی تھی۔

سلطان رات دن لہو و لعب اور بدمستی و عیش کوشی میں ڈوبا رہتا تھا۔ اس طرح اپنے اسلاف کے طور و طریق فنا کرکے رکھ دیئے۔

ولی حجام نام شخص از مقربانِ سلطان بود ہرچہ او می گفت سلطان بداں عمل می کرد و او از مردماں رشوت می گرفت و بہ ہر کہ بدی شد سلطان را باو منحرف می ساخت[۲]

ایک شخص ولی حجام نامی سلطان کے ندماء اور مقربین میں سے تھا۔ وہ جو بھی مشورہ بادشاہ کو دیتا تھا اس پر وہ عمل کرتا تھا۔ وہ لوگوں سے رشوت لیتا تھا اور جس سے متنفر ہوتا سلطان کو بھی اس سے متنفر کراتا تھا۔

مدرسۂ گل خاتون:- البتہ حیدر شاہ کی بیوی گل خاتون علم دوست عورت تھی۔ سلطان حسن شاہ (۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۴ء) اسی کے بطن سے تھا۔ گل خاتون نے ایک تاریخی مدرسہ تعمیر کیا۔ یہ مدرسہ مدرسۂ گل خاتون کے نام سے مشہور تھا۔ اس کو جھیل ڈل کے کنارے "بکھر بل" کے مقام پر بنایا گیا تھا اس کی عمارت کافی وسیع[۳]

---

۱ و ۲۔ تاریخ حسن ج ۲ ص ۲۰۷

۳۔ درس و تدریس کیلئے یہ جگہ کافی عمدہ ہے معلوم ہوتا ہے کہ پورے غور و فکر کے بعد یہ جگہ منتخب کی گئی تھی۔ مولانا شبلی نعمانی مرحوم جب کشمیر آئے تھے تو منجملہ دیگر مقامات کے جھیل ڈل کی فطری جاذبیت اور حسن و جمال نے بھی انہیں مسحور کیا تھا۔ قصیدۂ کشمیریہ میں جھیل ڈل کا طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں

آبجیرے کہ بشہرست و بعنا مش ڈل
گویا آئینہ در دست عروسے زیباست

سینۂ صاف دلان ست بہانا کہ لطیف
ہرچہ در بن بود از صفحۂ رویش پیداست

گرد و بر گرد ڈل آں صف زدنِ لالہ و گل
چوں طرازیست کہ بر دامنِ شوخی رعناست

(کلیات شبلی ص ۲۶، مطبع معارف)

وعریض تھی۔ کمروں کی تعداد تین سو ساٹھ تھی۔ شیخ اسماعیل اس مدرسہ کے پہلے صدر مدرّس تھے۔ شاید تنہا یہی ایک مدرسہ ہے جو شاہمیری خاندان کے آخری سلاطین کی علمی یادگار تھی۔

چک دور اور شیعہ دینیات کی اشاعت: شاہمیری خاندان کا اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل کر چکوں کی طرف منتقل ہوگیا۔ قدیم شاہمیری سلاطین میں "چک" قبیلہ کے چند افراد کو دربار میں تقرّب حاصل ہوا تھا اور ان لوگوں کی حیثیت خدّام سے زیادہ نہیں تھی۔ مگر جب شاہمیری سلطنت میں زوال آنا شروع ہوا تو یہی لوگ سیاہ وسفید کے مالک ہوگئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ عرصۂ دراز تک شاہمیری سلاطین برائے نام بادشاہ رہے اور عملی سیاست کے روحِ رواں یہی چک تھے۔ چنانچہ یہ لوگ بہت جلد وزارتِ عظمٰی کے اہم منصب پر فائز ہوئے۔ انہی ایام میں والیٔ خراسان کی طرف سے میر شمس الدین عراقی سفیر کی حیثیت سے کشمیر وارد ہوئے۔ میر شمس الدین عراقی بلند پایہ عالم ہونے کے ساتھ بڑے ہوشیار اور ذہین بھی تھے۔ انہوں نے اپنی سرگرمیاں سفارت کے کاموں تک ہی محدود نہ رکھیں بلکہ بڑی خاموشی کے ساتھ نوربخشیت (جو انتہا پسند شیعیت کہی جاسکتی ہے) کی تبلیغ واشاعت میں مصروف رہے۔ پورے آٹھ سال تک انہوں نے یہ "خدمت" انجام دی۔ آٹھ سال کے بعد ان کی تبلیغی سرگرمیاں منکشف ہوگئیں اور والیٔ خراسان نے ان کو واپس بلاکر سفارت کے منصب سے معزول کردیا۔ مگر میر موصوف نے آٹھ سال کی اچھی خاصی مدت میں جو بیج یہاں بویا تھا انہیں کامل یقین تھا کہ وہ بار آور ثابت ہوگا۔ چنانچہ وہ دوبارہ کشمیر وارد ہوئے۔ انہوں نے نہایت ہوشیاری سے چک اُمراء اور وزراء کو اپنا گرویدہ بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ اس مقصد میں کامیاب بھی ہوئے۔ اب حکومتِ وقت کی پشت پناہی ملنے پر وہ کھل کر میدان میں آئے اور ہزاروں سُنّی مسلمانوں اور غیر مسلموں کو شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ مولانا سید عبدالحی حسنیؒ لکھتے ہیں:۔

| | |
|---|---|
| بَذَلَ جُهْدَهُ فِي الدَّعْوَةِ وَقَتَلَ النَّاسَ | میر شمس الدین نے دعوت و تبلیغ میں پورا زور |
| وَأَخْرَجَ بَعْضَهُمْ إِلَى بِلَادٍ أُخْرَىٰ وَ | صرف کیا۔ اس نے لوگوں کو قتل کیا اور بعضوں کو |
| كَذَٰلِكَ أَكْرَهَ كُفَّارَ الْهِنْدِ عَلَى التَّشَيُّعِ | ملک بدر کیا۔ اسی طرح ہندوستان کے غیر |
| حَتَّىٰ قِيلَ إِنَّ أَدْبَعَادَ ثَلَاثِينَ أَلْفًا | مسلموں کو بھی شیعہ مذہب اختیار کرنے پر مجبور کیا |

من العناد وتشیّعوا انفسهم من المسلمین[1] یہاں تک کہ مشہور ہے کہ اس کے جبر واکراہ سے چوبیس ہزار ہندو شیعہ بن گئے۔

۹۴۲ھ میں عاشورہ کے دن بھی وہ اس جبر وقہر سے باز نہ آئے اور سیکڑوں سُنی مسلمانوں کا صفایا کیا[2] کشمیر کے ایک قدیم شیعہ مورخ میر شمس الدین کی مذہب میں اس جابرانہ اور قاہرانہ پالیسی کا شرعی جواز ڈھونڈھتے ہوئے لکھتے ہیں:-

| | |
|---|---|
| دروقت عبادت اصنام وبت پرستیہا قرآن مجید وفرقان حمید را کرسی ساختہ زیر سرین گرفتہ[3] | (اہل ہنود) بتوں کی عبادت و پرستش کے دوران قرآن مجید کو سرین کے نیچے بطور کرسی رکھا کرتے تھے۔ |

مگر اس کی تائید کسی بھی معاصر تاریخ یا تذکرہ سے نہیں ہوتی ہے۔ ان کے ایک خاص معتقد کی کتاب[4] مطالعہ کرکے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ محض یہی غرض لے کر کشمیر آئے تھے کہ غیر شیعہ باشندوں کا وجود مٹا دیا جائے۔

غرض یہ زمانہ شیعہ سُنی کشمکش، حکمراں طبقہ کی قاہری اور غیر شیعہ باشندوں کی مظلومی ومقہوری کا دور تھا۔ کشمیر اندرونی طور پر مختلف حصّوں اور مطلق العنان حکمرانوں میں بٹ گیا تھا۔ اسی زمانے میں مرزا حیدر دوغلات (ولادت ۹۰۵ھ وفات ۹۵۷ھ) کشمیر کی طرف بڑھا۔ اس وقت میر شمس الدین عراقی کی وفات پر بارہ سال کا عرصہ گزرا تھا۔ مرزا حیدر نے یہاں کی بدنظمی وخلفشار اور سنی مسلمانوں بالخصوص طبقۂ علماء کا خوف وہراس دیکھ کر شیعہ حکمرانوں سے انتقام لینے کا تہیہ کیا۔ میر شمس الدین عراقی کی مشہور تصنیف احوطہ اس زمانے میں زیادہ موردِ بحث تھی اور اسے شیعہ مسلک بالخصوص نوربخشیت کا منشور سمجھا جاتا تھا۔ مرزا حیدر سیاسی طور پر کشمیر کو مغلوب اور مسخر کرنے کے بعد شیعوں کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ کٹر حنفی المسلک مسلمان تھا۔ اس نے سب سے پہلے میر شمس الدین عراقی کی کتاب احوطہ تبصرہ کے لئے علمائے ہند کے پاس بھیجی۔ کیونکہ یہ کتاب باشندگانِ کشمیر کے لئے وبالِ جان بن گئی تھی۔ ممکن ہے مرزا حیدر نے اسی کتاب کو فتنوں کا باعث اور محرک سمجھا ہو اس لئے اولین فرصت میں اسی

[1] الثقافة الاسلامية في الهند، ص ۲۱۸، المجمع العلمي العربي، دمشق ۱۹۵۸ء

[2] تاریخ حسن ج ۱   [3] تاریخ بہارستان شاہی (قلمی)۔

[4] تحفۃ الاحباب (قلمی) نسخہ شعبۂ مخطوطات فارسی ریسرچ ڈیپارٹمنٹ سری نگر۔

کتاب کے بارے میں فیصلہ کرنا مناسب سمجھا ہو۔ چنانچہ علماو ہند نے اس کتاب کو اسلام اور شریعتِ اسلامیہ کے برخلاف قرار دیا اور اس کے نسخوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کی تاکید کی۔ مرزا حیدر فوراً اس فتوی پر عمل پیرا ہوا، مگر وہ اس مقصد کو عملی جامہ پہنانے کے وقت خود بھی اعتدال سے نکل گیا۔ اس نے نہ صرف خوف و ہراس اور خونریزی کا بازار گرم کیا بلکہ میر شمس الدین کی قبر اکھڑوا کر نعش نکال کر پھینک دی۔ اس مذہبی تعصب کا نتیجہ یہ نکلا کہ مرزا حیدر شیعہ علما اور حکمرانوں کی جس روش پر برافروختہ ہوا تھا پھر آخر کار خود بھی اسی میں الجھ کر رہ گیا اور قانونِ فطرت کے مطابق یہی بے جا تعصب اور تصلب اس کی تباہی اور ہلاکت کا باعث بنا۔ خلیل مرجان پوری نے لکھا ہے۔

بنا بر نافرمانی و تہمتِ تبرّا خوانی مردمِ شیعہ تعصّب راکہ در نظرِ دانادلاں بدترین اعمال است بخاطر راہ داد۔ اکثر اہلِ دولت و صاحبِ صولت را از پا در انداخت و باعثِ زوالِ عمر و دولتِ خود را شد[1]

مرزا حیدر نے شیعہ لوگوں کی نافرمانی اور تبرّا خوانی کی بنا پر خود اپنے دل میں مذہبی تعصب کو جگہ دی جو صاحبِ بصیرت لوگوں کے نزدیک بدترین فعل ہے۔ اس نے اس مذہبی تعصّب کی وجہ سے بہت سے حکمرانوں کا خاتمہ کیا جو بالآخر اس کی اپنی عمر اور حکومت کے لئے زوال کا باعث بنا۔

**میر شمس الدین عراقی اور ایرانی تہذیب**

چک حکمرانوں نے ستائیس سال تک (۱۵۶۱ء تا ۱۵۸۸ء) حکومت کی اور اس دوران چھ حکمران برسرِ اقتدار آئے۔ کچھ ایسے بھی تھے جنہیں دو دو بار حکومت کرنے کا موقع ملا۔ مگر اس ستائیس سالہ مدت میں علومِ اسلامیہ کی زیادہ ترقی نہ ہوئی۔ البتہ اس دور کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ کشمیر میں شیعہ مسلک کو زبردست عروج حاصل ہوا اور یہاں اس مسلک کے چند سربرآوردہ علماء نے جنم لیا۔ اس کے علاوہ میر شمس الدین عراقی نے اہلِ کشمیر کی توجہ وسطِ ایشیا سے ہٹا کر ایران کی جانب پھیر دی۔ اس نے ایرانی تہذیب اور فارسی زبان کے لئے نہایت جرأت کے ساتھ میدان ہموار کیا۔ صاحبزادہ حسن شاہ لکھتے ہیں:۔

فلو یکن الامیر شمس الدین العراقی ...

میر شمس الدین عراقی نہ صرف کشمیر میں فرقۂ امامیہ

---

[1] تاریخ خلیل مرجان پوری (قلمی) نسخہ شعبۂ مخطوطاتِ فارسی ریسرچ لائبریری سرینگر (کشمیر)

> مؤسس المذهب الإمامية في كشمير فقط بل كانت دعوته دعوة مهمة جداً بالنسبة الى الحضارة الايرانية واللغة الفارسية وشعرها فوثق اواصر كشمير بايران عوضاً عن آسيا الوسطى [1]

کے بانی مبانی تھے بلکہ ان کی دعوت ایرانی تہذیب اور فارسی زبان وادب سے انتساب وانسلاک کی حیثیت سے بھی بڑی اہمیت رکھتی تھی اس سے کشمیر کے تعلقات وسط ایشیاء کے بجائے ایران کے ساتھ مضبوط و مستحکم ہوئے۔

اس نے نوربخشی فقہ اور عقائد پر اپنے ہاتھ سے ایک کتاب عربی زبان میں لکھی جس کے تمام نسخوں کو مرزا حیدر دوغلات نے تباہ کرنے کی کوشش کی، جو کامیاب نہ ہوسکی۔ یہ مبسوط کتاب جس کا اصلی نام اَلفقہ MOSTCOMPREHENSIRE ہے، ۱۳۳۳ھ میں متھرا سے شائع ہوئی پروفیسر محمد شفیع نے اس کا مفصل تعارف پیش کیا ہے[2] ــــ غازی خاں چک کے زمانے میں کشمیر میں شیعیت ایک طرح کی شعوبیت اختیار کرگئی۔ اس نے فارسی زبان کو سرکاری حیثیت دے دی۔ یہاں تک کہ سکوں پر بھی فارسی زبان ہی چھائی اس سے پہلے سکوں پر عربی عبارت ہوا کرتی تھی۔ فارسی زبان جلد ہی اتنی مقبول ہوئی کہ پنڈتوں نے اپنے مذہبی پیشواؤں کے حق میں سنسکرت کے بجائے فارسی ہی میں قصائد لکھے۔

**حسین خان چک اور اس کا دار العلوم**

غازی خاں کے بیٹے حسین خان (۱۵۶۳ء تا ۱۵۷۰ء) نے ایک اعلیٰ درجہ کا دار العلوم بنایا۔ کالج کے ساتھ دار المطالعہ بھی تعمیر کیا جو اس کی علم دوستی کا بین ثبوت ہے کالج کے ساتھ ایک ہوسٹل بھی ملحق کیا جس کے لئے کئی دیہات کی آمدنی وقف رکھی۔ شیخ فتح اللہ حقانی اس کالج کے صدر مدرس بنائے گئے اور اخوند شیخ درویش ان کے معاون تھے[3] شیخ فتح اللہ حقانی متبحر عالم ہونے کے ساتھ پختہ حنفی بھی تھے۔ میر شمس الدین عراقی نے اپنی حیات ہی میں انہیں قتل کرانے کی کوشش کی تھی۔ اس لئے شیخ موصوف نے کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ میں اقامت کی اور مشغلہ درس تدریس شروع کیا۔

---

[1] ثقافۃ الہند، جولائی ۱۹۶۵ء ۔ [2] اورنٹل کالج میگزین، لاہور، ج اول نمبر اول فروری

[3] ڈاکٹر صوفی ج ۲

کشمیر کے دو جلیل القدر علماء ملا کمال (استاد مجدد الف ثانی، علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی، سعدالدین ملامی) اور ملا جلال ان کے داماد تھے۔ شیخ العلماء حضرت حمزہ مخدوم کشمیری ان کے مخصوص تلامذہ میں سے تھے حسین خان نے قاضی حبیب اللہ خوارزمی حنفی کو شیخ الاسلام مقرر کیا تھا۔ انہوں نے سُنّی عقائد پر "عقائد" نام سے ایک کتاب لکھی جو علمی حلقوں میں بے حد مقبول ہوئی تھی۔

**مُغل** جب مرزا حیدر دوغلات نے شیعوں کے خلاف جبر و قہر سے کام لیا تو اس کے خلاف بھی سازشیں ہوئیں، جو کامیاب ہوئیں۔ مرزا حیدر کو بُری طرح قتل کیا گیا اور اسی کے ساتھ سابقہ شیعیت پورے جوش کے ساتھ عود کر آئی۔ اب شیعہ حکمرانوں نے مرزا حیدر کے کارناموں کا جائزہ لیا اِس طرح علماء اہل سنت کو ہراساں اور قتل کرنے کی پھر نوبت آئی۔ یہ انتقامی ردِ عمل اس وقت عروج کو پہنچا جب چک خاندان کے آخری حکمران یعقوب شاہ (بار دوم ۱۵۸۶ء تا ۱۵۸۸ء) نے سُنّیوں کے قاضی القضاۃ شیخ موسیٰ کو اذان میں چند کلمات اضافہ کرنے کے حق میں فتویٰ طلب کیا۔ مگر قاضی موصوف نے نہ صرف اسے نامنظور کیا بلکہ اُلٹا اسے غیر شرعی اور بدعت قرار دیا۔ اس پر قاضی موسیٰ کو قتل کیا گیا۔ نعش ہاتھی کے ساتھ باندھ کر سارے شہر میں گھمائی گئی۔ قاضی شہید کی ماں بقیدِ حیات تھی۔ جب ہاتھی اس کے دروازے سے گزرا تو بیٹے کو راہِ خدا میں شہید ہونے پر شکر بجا لائی [۱] اس ظلم اور سفاکی نے یہاں کے عوام و خواص کو ہراساں کیا۔ کچھ سُنّی علماء بھاگنے پر مجبور ہوئے اور بعضوں نے اطراف و مضافات میں گوشہ نشینی اختیار کی۔ اپنے گھر کو آگ کی لپیٹ میں دیکھ کر یہاں کے چند سربرآوردہ علماء دہلی وارد ہوئے اور مغل حکمرانوں کو چند اہم شرائط کے ساتھ کشمیر کا اقتدار ہاتھ میں لینے کی دعوت دی۔ اس طرح گردشِ روزگار نے کشمیر اور کشمیریوں کی تقدیر ان کے اپنے ہاتھوں سے نکال کر غیروں کے حوالے کر دی۔

**مغلوں کی سیاست** سچی بات یہ ہے اور تاریخ بھی اس کی تائید کرتی ہے کہ جونہی مغلوں نے ہندوستان کا تخت و تاج سنبھالا اسی وقت کشمیر کی جانب ان کی آنکھیں اُٹھ گئی تھیں۔ بالخصوص اکبر نے کئی بار سیاسی تدابیر کو بروئے کار لا کر کشمیر کو اپنی گرفت میں لانے کی کوشش کی تھی مگر اہل کشمیر کی بہادری اور اپنی خاص ذہنیت سے اس نے کئی بار شکست کھائی۔ بلاشبہ اس وقت تک کشمیر ہمیشہ دنیا کے نقشہ پر ایک الگ

---

[۱] تاریخ حسن ج ۲ ص ۳۳۱

اور مستقل ملک کی حیثیت سے موجود تھا۔ کشمیر کی فطری قلعہ بندی کا بھی اس میں بڑا دخل تھا اور ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ کشمیر کے لوگ بڑے بہادر، بے باک اور جرأت مند تھے۔ انھوں نے اپنی بسالت و بہادری سے کئی بار بڑے بڑے خارجی حکمرانوں کو شکستِ فاش دے کر اسے بیرونی ملک میں مدغم ہونے سے بچایا تھا۔ اگر اس وقت بھی کشمیر کے تختِ سلطنت پر کوئی اولوالعزم حکمراں ہوتا تو آج کشمیر کی حالت کچھ اور ہی ہوتی۔ غرض جلال الدین اکبر کشمیر پر قبضہ جما کر اسے مملکتِ ہندوستان میں شامل کرنے میں کامیاب ہوا۔ اس نے اپنے پنجے مضبوطی کے ساتھ گاڑنے کے لئے بڑے حربے استعمال کئے۔ اس نے جبر اور سطوت چھوڑ کر ان ہتھیاروں سے کام لیا جنھوں نے بہت جلد اہلِ کشمیر سے ہمت و شجاعت، جہد و اجتہاد، بے باکی و جانبازی اور خود اعتمادی و احساسِ برتری جیسے اوصاف و کمالات غیر شعوری طور پر سلب کر لئے۔ کوہ ماران (سرینگر) کے ارد گرد اس نے ایک بلند اور مہیب دیوار کھڑی کر دی جو اگرچہ ایک طرف ہزاروں مزدوروں کے لئے روزگار کا ذریعہ بن گئی مگر دوسری طرف اس کی ساخت اور بناوٹ ایسی بنا دی گئی جو دل و دماغ میں جلال و جبروت اور رعب و دبدبہ کی کیفیت پیدا کرتی ہے۔

علاوہ ازیں مغلوں نے کشمیر میں وہ تعمیری کام کئے جو دماغ سے زیادہ جسم کے لئے راحت رساں ہیں۔ ان کے بنائے ہوئے خوبصورت باغات اور مساجد و مقابر اگر ایک طرف ان کے جمالیاتی ذوق پر روشنی ڈالتے ہیں مگر دوسری طرف لوگوں کے اندر فکر و نظر کی صلاحیت پر غلاف چڑھاتے ہوئے صرف عیش کوشی اور عافیت طلبی کے جذبات ابھارنے کے ذمہ دار بھی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں نے ایسا جان بوجھ کر کیا تھا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ مغلوں نے کشمیر میں ایک بھی دارالعلوم یا علمی اکادمی قائم نہ کی۔ اس طرح بہت جلد اہلِ کشمیر کے دل و دماغ سے جانبازی اور غیرت و حمیت محو ہوئی اور وہ قوم جو کسی زمانے میں (بالفاظ علامہ اقبالؔ)

در زمانے صف شکن ہم بودہ است چیرہ و جانباز و پُر دم بودہ است

اپنے ہی وطنِ عزیز میں اتنی مجبور و مقہور ہوئی کہ ـــــ در دیارِ خود غریب افتادہ است

علمائے کشمیر کا فضل و کمال مغلوں کے اس طرزِ عمل کو ایک طرف رکھ کر یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلّم ہے کہ مغل سلاطین اہلِ علم اور علم پرور تھے۔ اس اعتبار سے ان کی تاریخ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ ان [illegible]

سے یقیناً کشمیر بھی متاثر ہوا۔ علماء کشمیر کو ہندوارد ہونے اور یہاں کے جلیل القدر علماء کی مجلسوں اور علمی سرگرمیوں سے فیض حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔ مغلوں کے عہد میں کشمیر کے تشنگانِ علم عرب و عجم پہنچے۔ وہ ان ممالک سے کتابوں کا عظیم الشان ذخیرہ بھی اپنے ساتھ لے آئے۔ مزید برآں مغلوں نے جو صوبیدار کشمیر بھیجے ان میں سے بعض بلند پایہ ادیب اور صاحب علم تھے۔ بالخصوص ظفرخان احسن کا زمانہ کشمیر کا روشن ادبی دور تھا۔ اس میں کشمیر کے بہت سارے علماء شمالی ہند، ایران، بلخ، بخارا، بغداد، حرمین وغیرہ پہنچے اور ان مقامات سے علم و حکمت کا جوہر اور عطر اپنے ساتھ لاکر کشمیر کے کونوں کونوں میں پھیلایا۔ چنانچہ اپنی محنت اور ذوق و شوق کے بدولت اِس دَور میں جو جلیل القدر علماء اور شعراء پیدا ہوئے بعد کے ادوار میں ان کی نظیر ملنی مشکل ہے۔ شیخ یعقوب صرفی، شیخ معین الدین چشتی، سید مراد نقشبندی جیسے مفسّر و محدّث، علامہ داؤد خاکی، شیخ داؤد مشکواتی، مرزا اکمل الدین بدخشی جیسے علماء و تصوّف، مولانا محمد یوسف، شیخ محمد طاہر، مولانا ابوالفتح، مولانا غلام نبی اور مفتی شیخ احمد جیسے فقہاء ابوالفتح کلّو اور مُلّا محسن کشمیری جیسے متکلمین اسی عہد کی یادگار ہیں۔ اسی زمانے میں ایران کے ممتاز ترین فارسی شعراء جیسے قُدسی، مشہدی، عُرفی، منظری، اوجی، محمد قلی سلیم، طالب کلیم وغیرہ کشمیر وارد ہوئے۔ اِن کی سرور و سرود کی محفلوں سے یہاں کی سرزمین ایک سرے سے دوسرے سرے تک شعر و شاعری سے گونجنے لگی۔ اگرچہ شاعری میں زیادہ فارسی زبان مستعمل تھی مگر اس نے عربی زبان میں بھی طبع آزمائی کرنے کی ترغیب دی۔ اس عہد کے عربی شعراء میں صرفی، جمّی، ملا طیّب، مُلّا نازک وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ انہوں نے تصوّف، نعت، مناجات، مرثیہ، غزل، تقریظ وغیرہ مضامین پر طبع آزمائی کی۔

مغلوں کے عہد میں جب کشمیر کے علماء حصولِ علم کی غرض سے باہر نکلے تو انہیں اپنی فطری ذہانت و بصیرت کی ساری خوبیاں دکھانے کا موقعہ ملا اور ان کی قدر و منزلت دیگر اطراف و ممالک میں کی جانے لگی۔ شیخ محمد مراد نقشبندی کشمیری کو دمشق اور قسطنطنیہ کے علماء میں جو مقام و مرتبہ حاصل تھا اُس کا اندازہ "سِلکُ الدُّرَر" کے مطالعہ سے ہوتا ہے[۱]۔ اُن کی جلیل القدر اولاد عرصۂ دراز تک دمشق کے مفتیٔ اعظم احناف تھے[۲]۔ شیخ یعقوب صرفی کشمیری کو نہ صرف ہندوستان کے علماء میں ممتاز مقام حاصل تھا بلکہ ایران و عراق کے علماء بھی اُن کے علم و فضل سے متاثر تھے۔ انہوں نے شہنشاہِ ایران طہماسپ

[۱] سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر بولاق ۱۳۰۱ھ [۲] ایضاً ج ۳ ص ۱۹۳ تا ۲۲۸۔

کے سامنے ایک حدیث پر بحث کرکے صاف صاف کہا کہ اس حدیث سے بعض حضرات جو معنی اخذ کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ غلط ہے[۱]۔ قاضی حیدر کشمیری کو فقہاء کی اس مجلس کا ایک رکن بنایا گیا جو اورنگ زیب نے الفتاویٰ (یا عالمگیری) مرتب کرنے کے لئے تشکیل دی تھی[۲]۔ سلطان اورنگ زیب نے انہیں ان کی فقہی بصیرت کی بنا پر ہی قاضی خان کا لقب دیا تھا۔ مولانا محمد حسین کشمیری پٹنہ (عظیم آباد) کے مفتی اعظم مقرر ہوئے[۳]۔ مولانا محمد علی کشمیری، عبدالرحیم خان خاناں کے منظور نظر تھے اور خان خاناں ہی کے حکم پر ضیاء الدین ترکمانی کی عربی کتاب "حافش" کا فارسی میں ترجمہ کیا[۴]۔ سید حسین شاہ کشمیری کا درس مدرسہ فیض عام کانپور اور پھر بھوپال میں عرصے تک جاری رہا۔ مولانا عبدالرزاق کشمیری کو شاہجہاں نے مدرسہ کابل کا صدر مقرر کرکے بھیجا[۵]۔

مغل عہد کے چند مدارس جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا مغلوں نے کشمیر میں علوم وفنون کی ترویج و ترقی میں کوئی خاص دلچسپی نہ لی، اور اس دور میں جو لوگ علم وفضل میں مشہور وممتاز ہوئے وہ اُن کی محنت اور ذوق کا ثمرہ تھا۔ مغلوں کے اس نظر تغافل کا اندازہ اس سے ہوگا کہ انہوں نے یہاں کوئی بلند پایہ دارالعلوم قائم کیا اور نہ وہ مطالعۂ کتب یا تصنیف و ترجمہ کے لئے کوئی ادارہ تشکیل دے سکے۔ عہد مغلیہ میں سابقہ شاہمیری سلاطین کے بنائے ہوئے علمی ادارے موجود تھے۔ مغل عہد میں یہ ادارے بدستور اپنی علمی خدمات انجام دے رہے تھے۔ البتہ اس عہد میں چند برگزیدہ علماء نے مدارس کی صورت میں چند علمی حلقے قائم کئے۔ یہ ان بزرگوں کے ذاتی کارنامے تھے۔ ان علمی حلقوں سے بھی کافی اہل علم مستفید ہوئے۔ اس نوع کے مدارس میں تین زیادہ مشہور ہوئے جن کا مختصر تعارف یوں ہے۔

درسگاہ ملا حیدر: یہ درسگاہ ملا حیدر علامہ نے جہانگیر کے عہد حکومت میں قائم کی تھی اور گوجوارہ (متصل شاہ واری، سرینگر) میں واقع تھی۔ ڈاکٹر صوفی لکھتے ہیں کہ اس درسگاہ سے بڑے علماء فارغ ہوئے تھے[۶]۔

---

[۱] اعمال حضرت ایشاں (قلمی) [۲] واقعات کشمیر، لاہور ص ۲۱۶۔
[۳] نزہتہ الخواطر ج ۵ ص ۳۶۷۔ [۴] ایضاً ج ۵ ص ۳۸۳۔
[۵] حدائق حنفیہ (اردو) ص ۴۲۸۔ [۶] "کشیر" جلد ۲۔

مدرسۂ خواجگانِ نقشبند:۔ یہ مدرسہ خواجہ آخوند محمود (م ۱۰۵۲ھ) نے قائم کیا تھا۔ خواجہ صاحب بلند پایہ عالمِ دین، صاحبِ شریعت، صوفی صافی اور مُصلح و مبلّغ تھے۔ انہیں مُغل سلاطین کے ہاں بڑا تقرب حاصل تھا۔ مولانا غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:۔

پیشِ جلال الدین اکبر و جہانگیر و شاہجہاں قبولِ عظیم یافت، بحدیکہ بیگمات و مستوراتِ شاہی ہم از آنحضرت پردہ نہ داشتند[1]

خواجہ صاحب نے لاہور میں انتقال کیا۔ ان کا پُرشکوہ مقبرہ بھی لاہور میں ہی واقع ہے اور تاریخی حیثیت رکھتا ہے[2]۔ خواجہ صاحب نے سرینگر میں خواجہ بازار کے مقام پر ایک دینی مدرسہ قائم کیا تھا اور یہ شاہجہاں کا عہدِ حکومت تھا۔ اُن کی وفات کے بعد ان کے جلیل الشان فرزند شیخ معین الدین نقشبندی نے اسے علمی رونق بخشی اور اس مدرسے کو ایک غیر معمولی علمی ادارے میں منتقل کیا۔ اس سے سربرآوردہ فقہاء اور محدثین نکلے۔ یہیں حضرت شیخ کی سرپرستی میں پانچ کشمیری فضلاء نے "الفتاویٰ النقشبندیہ" مرتب کی۔ ان کی وفات کے بعد مدرسہ کی سرپرستی ان کے فرزندوں کے ہاتھوں میں آئی، جو خود صاحبِ علم تھے پھر جب کشمیر میں سیاسی انحطاط اور علمی زوال آنا شروع ہوا تو یہ مدرسہ بھی ہمیشہ کے لئے مقفل ہوا۔

مدرسۂ سید منصور:۔ یہ مدرسہ ۱۱۲۵ھ (۱۷۱۳ء) میں اس وقت وجود میں آیا جب عنایت اللہ خان کشمیر کا صوبیدار تھا۔ عنایت اللہ خاں ہی اس مدرسے کا سرپرست تھا اور آخوند مُلا سلیمان کلّو مدرسہ کے پہلے صدر مدرس مقرر ہوئے[3]

ان تین مدارس کے سوا کشمیر کے دو نامور عالم مُلا کمال اور مُلا جمال کی علمی اور تدریسی مجلسیں بھی گرم تھیں۔ بعد میں یہ دونوں بھائی امرتسر منتقل ہوئے جہاں وقت کی جلیل القدر ہستیوں کو مستفید کیا۔ مزید برآں جب دارا شکوہ کشمیر میں مقیم تھا اس کے ارد گرد بھی اہلِ علم اور شعراء کا بڑا حلقہ ہوتا تھا۔ دارا شکوہ جس جگہ اقامت پذیر ہوا تھا وہ آب و ہوا کے لحاظ سے نہایت ہی عمدہ اور خوش گوار تھی۔ اس کا نام دارا شکوہ کی بیوی نادرہ بیگم

---

۱؎ خزینۃ الاصفیاء ج ا ص ۶۲۵۔ ۲؎ "نقوش" لاہور نمبر۔ ص ۳۱۹ ۔ ۳۲۲ ۔

۳؎ A HISTORY OF KASHMIR VOL II, P.

معروف بہ پہاری بیگم کے نام پر پری محل رکھا گیا ؎ اس علمی محفل میں زیادہ تر تصوف اور معارف و حقائقِ عالم پر ہی بحث و تحقیق ہوتی تھی۔ کیوں کہ اس مجلس کا تعلق تزکیۂ نفس اور معرفتِ الٰہی کی جانکاری سے تھا۔

**درّانی عہد اور علمی وتہذیبی زوال**

کشمیر میں مغلوں کا اقتدار (بعد کے ادوار میں اگرچہ برائے نام ہی تھا) بالآخر ۱۷۵۲ء میں اختتام کو پہنچا۔ ۱۷۵۲ء میں مشہور افغان حکمراں احمد شاہ درّانی کی فوجوں نے کشمیر پر اپنا تسلط قائم کیا۔ احمد شاہ خود کشمیر کبھی نہیں آیا ہے۔ وہ کشمیر کا اقتدار درّانی صوبیداروں کو سونپتا تھا۔ افغانوں نے کشمیر پر ۶۷ سال یعنی ۱۸۱۹ء تک حکومت کی۔ کشمیر کو ہر حیثیت سے تباہ و برباد کرنے کی ابتداء انہی پٹھان حکمرانوں نے کی۔ انہوں نے اُس دور کی یاد تازہ کی جس کو اہلِ کشمیر نے ذوالجو یا ذوالقدر خان اور دوسرے منگول حملہ آوروں کے زمانے میں مشاہدہ کیا تھا۔ پٹھانوں کی خونریزی اور غارتگری کشمیر کی تاریخ کا اہم باب ہے۔ ان کی سنگ دلی اور سفّاکی کے بارے میں مشہور تھا۔ ؎ سر بُریدن پیشِ ایں سنگ دلاں گُل چیدن است
اور اہلِ کشمیر نے اپنی آنکھوں سے ان کی بربریت دیکھی تھی۔ حکمرانوں کے جبر و قہر کے علاوہ کشمیر کے لوگ اسی بدقسمت دور میں تین[۳] شدید موسمی حوادث، دو تباہ کن زلزلوں اور تین[۳] سیلابوں کے شکار ہوئے۔ ان مہلک حادثات نے یہاں کے لوگوں کو مفلوک الحال بنادیا۔ علاوہ ازیں اسی زمانے میں دو[۲] ایسے شیعہ سُنّی فسادات رونما ہوئے جن میں طرفین نے ایک دوسرے کی تعمیرات اور مقاماتِ مقدسہ جلا کر تودۂ خاک میں بدل دیا۔

**درّانی عہد میں علمی سرگرمیاں**

ان بدترین حالات میں کشمیر میں علوم و فنون کا ترقی کرنا غیر متوقع امر تھا۔ بالخصوص جبکہ حکمراں طبقے کو ہی علم و ادب کے ساتھ دلچسپی نہ تھی تو رعایا کا اس کی جانب توجہ کرنا بعید از عقل تھا۔ تاہم ابھی مغل عہد کے اثرات موجود ہی تھے اور ان علماء کرام کی علمی مجلسیں ابھی گرم ہی تھیں جو افغانوں کی حکومت وجود میں آنے سے دو چار سال پہلے ہی رحلت کرچکے تھے۔ ان میں شیخ معین الدین رفیقی (م ۱۱۴۸ھ) مولانا ابوالفتح (م ۱۱۴۹ھ) خواجہ نور الدین محمد آفتاب (م ۱۱۵۶ھ) شیخ احمد یسوی، خواجہ نور الدین بدرالدین، میر سید محمد اسماعیل بخاری ہمدانی (م ۱۱۵۳ھ) مولوی حاجی استاکی، سید عبدالوہاب منوّرآبادی (م ۱۱۵۳ھ) وغیرہم کے تلامذہ، اخلاف و احفاد اور خلفاء و مسترشدین ابھی موجود ہی تھے جو پورے انہماک کے ساتھ درس و تدریس اور

---

؎ A HISTORY OF KASHMIR: VOL II, P 28

تصنیف و تالیف میں لگے تھے۔ اسی دور میں ترکستان کے نامور محدث شیخ عبدالولی طرخانی (تلمیذ محدث ابوالحسن سندھی) کشمیر تشریف لائے اور یہیں دائمی سکونت اختیار کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر ابھی زیادہ خدمات انجام نہ دے سکے تھے کہ چند شریروں کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ اُن کے شاگرد رشید مفتی قوام الدین کشمیری بعد میں اُن کی جگہ تدریسی اور تحریری خدمات انجام دیتے رہے۔ ان کی کتاب کا نام "الصحائف السلطانیۃ" تھا جس میں ساٹھ مختلف علوم سے متعلق فوائد و نوادر تھے۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں کہ اس نوع کی کتاب ان سے قبل امام فخرالدین رازی نے لکھی تھی[۱] ان کے علم و فضل کو دیکھ کر انہیں احمد شاہ درّانی کے حکم سے بلند خاں صوبہ دار کے عہد میں کشمیر کا شیخ الاسلام مقرر کیا گیا[۲]

درّانیوں کے زمانے میں بھی کشمیر کے تشنگانِ علم ملحقہ ممالک کے علمی مراکز کی طرف جا کر علم حاصل کرتے تھے۔ چنانچہ اسی عہد میں بخارا میں بھی کشمیر کے طالبِ علم موجود تھے[۳]

سکھ اور ڈوگرہ عہد:۔ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۲۳۴ھ (مطابق ۱۸۱۹ء) میں افغانوں کو شکست دے کر اپنی وسیع و عریض مملکت قائم کی جس کا اہم حصہ پورا کشمیر بن گیا۔ سکھوں کا اقتدار ستائیس سال تک برقرار رہا۔ لانگ ورتھ "C. L. DAM. LONGWORTH" لکھتا ہے: "سکھ حکومت بھی ظالمانہ اور متشددانہ تھی مگر افغانوں سے پھر بھی اچھی تھی"[۴] اس کے برعکس یورپی سیاح مورکرافٹ اپنا آنکھوں دیکھا حال بیان کر کے لکھتا ہے: "افغانوں کا ظلم منتشر تھا جبکہ سکھوں کا ظلم و استبداد منظم صورت میں ہے۔ درّانیوں کی لاپرواہیوں کے باعث بہت سے لوگ لوٹ کھسوٹ سے بچ جاتے تھے جبکہ رنجیت سنگھ کا قہر و غضب منظم شکل میں ہے۔ رنجیت سنگھ کی حکومت حد درجہ ظالمانہ ہے"[۵] کشمیر کی تاریخ بھی مورکرافٹ

---

[۱] ہندوستان میں مسلمانوں کا نظامِ تعلیم و تربیت [۲] تاریخ حسن ج ۱ ص ۲۲۵۔

[۳] THE CAMBRIDGE HISTORY of ISLAM, vol I, P 479

[۴] ENCYCLOPEDIA OF ISLAM, "KASHMIR", vol II

[۵] حوالہ سید احمد شہید: مولانا غلام رسول مہر، ص ۳۳۸۔

کے بیان کی تائید کرتی ہے۔ لانگ ورتھ نے اپنے مقالہ میں شدتِ تعصب سے مغلوب ہو کر بہت سے حقائق مسخ کر کے پیش کئے ہیں اور کئی جگہ قیاس کے تیر تکے چلائے جا رہے ہیں۔

سکھوں کا ظلم و تشدد کشمیر تک ہی محدود نہ رہا بلکہ جو جو علاقہ انھوں نے اپنے تصرف میں لیا۔ وہ مشقِ ستم بنا۔ ان کے جبر و قہر، لوٹ کھسوٹ اور تباہی و بربادی پر اگر ایک طرف کشمیر کے باشندے ان الفاظ میں خون کے آنسو بہا رہے تھے؛

جرمِ ما، مارا چو دامنگیر شد قومِ سنگاں وارد کشمیر شد

تو دوسری طرف حضرت شاہ عبدالعزیزؒ یوں آہ و زاری کرتے تھے؛

جزَی اللّٰہُ عنّا قومَ سِکھ وَمَرْھَبٹ عقوبۃَ شرٍّ جزَی غیرَ اٰجِلِ

وقد قتلوا جمعًا کثیرًا مِنَ الوریٰ وَقَدْ اَوْجَعُوْنِیْ اَھْلَ شاءٍ وَجاھِلِ

فرنگی سفیر مور کرافٹ نے ۱۸۲۳ء میں کشمیر کی سیاحت کی۔ وہ یہاں کے لوگوں کے مختلف حالات و کوائف کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ اہلِ کشمیر کے پاس جو کچھ بھی ہے، اس کو سلب کیا جاتا ہے۔ سکھ کشمیریوں کو مویشیوں سے پست سمجھتے ہیں کوئی سکھ کسی کشمیری کو قتل کرتا ہے تو قاتل کو جرمانہ کے طور پر حکومت کی طرف سولہ سے بیس[1] روپیہ تک ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس رقم میں مقتول کے ورثاء کو چار روپیہ دیئے جاتے ہیں بشرطیکہ وہ ہندو ہو۔ اگر مقتول مسلمان ہو گا تو اس کے وارثوں کو صرف دو روپیہ[1] مور کرافٹ ایک اور جگہ لکھتا ہے: کشمیر کے لوگ ہمیشہ سے ایشیاء کے سب سے زیادہ باسلیقہ اور زندہ دل سمجھے جاتے تھے۔ اگر دوبارہ نظامِ حکومت انہیں میسّر ہو تو ممکن ہے کہ یہ خوبیاں ان میں دوبارہ پیدا ہو جائیں مگر فی الحال اس جیسی ذلیل نسل کا کہیں اور وجود نہیں ہے[2]۔ سکھوں کے اس ظلم و ستم اور لوٹ کھسوٹ سے واقف ہو کر سید احمد بریلوی اور شاہ محمد اسماعیل شہید رحمہما اللہ اور دوسرے مجاہدین بالاکوٹ نے جنوری ۱۸۳۱ء میں کشمیر میں داخل ہونے کی خواہش ظاہر کی تھی تاکہ یہاں کے باشندوں کو بھی جبر و قہر سے خلاصی دلانے کی کوشش

---

[1] TRAVELLS: SIR WILLIAM MOORCRAFT, VOL. II, P 293-94

[2] ایضاً، ص ۱۲۸

کی جانے مگر یہ حضرات خود ہی بہت جلد چند روزہ زندگی کی قید و بند ش سے خلاصی پا گئے" اور انہیں کشمیر آنے کی نوبت بھی نہ آئی[1] ان مجاہدین میں کشمیر کے کچھ لوگ بھی شامل تھے۔ حاجی یوسف غازی کشمیری کا نام تاریخوں میں ثبت ہے[2]

سکھوں نے ستائیس سال تک کشمیر کو تاراج کیا۔ اس کے بعد جموں کے ڈوگرہ راجپوتوں نے انگریزوں سے سازباز کر کے سکھوں کو اقتدار سے محروم کرنے اور اپنے بیر جمانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس سازباز کے نتیجہ میں ڈوگروں نے انگریزوں سے سرزمینِ کشمیر (بشمولِ ہزارہ و کوہستان) ۷۵ لاکھ نانک شاہی سکے میں خریدلی۔ یہ سودابازی خوبصورت وادی کے ساتھ ساتھ اس کے رہنے والے باشندوں کے اجساد و ارواح سمیت ان سادہ لوحوں کی عدمِ واقفیت میں بمقامِ امرتسر عمل میں لائی گئی۔ بقول علامہ اقبال[ح]

دہقان و کشت و جوئے و خیاباں فروختند — قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند

یہی سودابازی جس میں بائع انگریز اور مشتری ڈوگرہ راجپوت تھے تاریخ میں عہد نامۂ امرتسر کے نام سے موسوم ہے۔ ظاہر ہے جن حکمرانوں نے یہاں کی سرزمین محض سلب و نہب کے لئے خریدی تھی وہ اسے کیا دے سکتے تھے! ڈوگروں کے ابتدائی ایام تاریخِ کشمیر کے منحوس ترین دن مانے جاتے ہیں۔ اس زمانے میں کشمیر کے باشندے جس بدحالی و بدنصیبی اور اضمحلال و افسردگی میں مبتلا تھے، اس کا اندازہ اس وقت کے غیر ملکی سفیروں کے سفرنامے پڑھ کر ہی ہو سکتا ہے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ (جس نے یہ سودا کیا تھا) اتنا لالچی تھا کہ اگر کسی ضرورتمند کو مہاراجہ کی توجہ اپنی طرف مبذول کرنے کی ضرورت ہوتی تھی تو وہ دور سے ایک روپیہ دکھا کر کہتا تھا: عرض ہے۔ اس پر مہاراجہ متوجہ ہوتا تھا[3]۔ ڈریو "FREDERIC DREW" نے لکھا ہے کہ مہاراجہ گلاب سنگھ ایک روپیہ پر جھپٹ پڑتا تھا[4]۔ سفاکی کا یہ عالم تھا کہ قتلِ عمد پر مجرم کا پہلے مُثلہ کیا جاتا تھا پھر پھانسی دی جاتی تھی[5]

---

1. KASHIR : A HISTORY OF KASHMIR : DR SUFI VOL II, P734
2. سیرت سید احمد شہید: ص ۳۱۳۔
3. THE JAMMU AND KASHMIR TERRITORIES (LODGE) : P: 50
4. KASHMIR PAPERS : ED : S.N. GADRU, PREFACE, P[illegible]
5. KASHMIR PAPERS : P: 10

کاروباری طبقہ اور کسانوں کے حالات ناگفتہ بہ تھے۔ اُنہیں ظلم اور لوٹ کے شکنجے میں کسا جاتا تھا اور آہ کرنے کی اجازت نہ تھی۔ جن یورپی اہل قلم کو اس دور کے حالات اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ ملا انہوں نے اپنے مشاہدات و تاثرات کے نام اور عنوانات ہی ایسے رکھے ہیں جو حالات و واقعات کا اچھی طرح تعارف کراتے ہیں مثلاً آرتھر برنکمن "SIR ARTHUR BRINKMAN" کے کشمیر کے گناہ WRONGS OF KASHMIR ابرٹ تھارپ "ROBERT THORP" کی کشمیر کی بدانتظامی KASHMIR MISGOVERNMENT وغیرہ۔ آرتھر برنکمین' برٹش گورنمنٹ کو آگاہ کرتے ہوئے لکھتا ہے ہر سال سینکڑوں کشمیری ظلم و جبر اور عام بدنظمی کی تلخی سے اپنا وطن' اہل و عیال اور گھر بار چھوڑ کر پہاڑوں کی طرف بھاگتے ہیں۔[1] آگے لکھتا ہے: "غلامی" "SLAVERY" اپنی تمام حیثیتوں سے کشمیر میں موجود ہے۔ کوئی بھی کشمیری اپنی کسی چیز کا مالک نہیں ہے۔ زمین' پانی' لکڑی یہاں تک کہ اپنی روح پر بھی اس کو حق حاصل نہیں ہے' اور یہ سب کچھ راجاؤں کی بدولت ہے[2]

سکھ ڈوگرہ عہد میں اسلامی علوم: ان ناگفتہ بہ حالات میں علوم کی ترقی کا سوال ہی پیدا نہ ہو سکتا تھا درد و کرب' ذلت و مسکنت اور خوف و ہراس کے بادل چارسو چھائے ہوئے تھے۔ کشمیری شاعری' جو اس دور میں معرض وجود میں آئی ہے اس سے یہ تباہ حالی اور افسردہ دلی ٹپکتی ہے۔ لاعلمی اور جہالت تقریباً ۱۹۳۰ء تک ہر طرف عام تھی اور حکومت کسی طرح کی علمی نہضت اُبھرنے نہ دیتی تھی۔ مذہبی طبقے کا حال نہایت ہی بُرا تھا۔ مذہبی نمائندوں کے اندر دماغی سکت اور حوصلۂ قلبی کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ روحانی پیشوا دنیا سے برداشتہ خاطر ہو کر اداس و افسردہ تھے۔ چند خاص خاندانوں کو چھوڑ کر جو عرصۂ دراز سے علمی اور دینی خدمات دیتے آئے تھے' سب کے سب مذہبی پیشوا اوہام فاسدہ میں مبتلا تھے۔ عقائد و اعمال کے نام پر اُن چیزوں کی تلقین و تبلیغ کی جاتی تھی جن سے لوگوں کی قوتِ ارادی' ذوقِ عمل' احساسِ خودداری اور عزتِ نفس کا مادہ مفلوج ہو گیا تھا' علم و تحقیق کے نام پر قصہ گوئی کا بیڑا اٹھا۔ تصوف اور تزکیۂ نفس کے نام پر رہبانیت اور عجز و انکساری (جو ذلت و ضلالت کی شکل میں ہوتی تھی) کا درس دیا جاتا تھا۔

---

[1] Kashmir Afpeed: P.78 ص ۵
[2] ایضاً ۔ 15

اس تنزل یافتہ دَور اور کمزور سماج میں بھی کشمیر کے چند باا ثر حلقوں میں تحصیلِ علم اور خدمتِ علم کا جذبہ اور شوق موجود تھا۔ ان حلقوں نے کشمیر کے عام حالات کی ناموافقت سے بددِل ہو کر ہندوستان کے مختلف اطراف کی طرف رُخ کیا اور یہیں اپنی علمی تمنائیں پوری کرنے کی کوشش کی۔ ہندوستان بھی اگرچہ اس عہد میں سامراجیت کا شکار تھا مگر تاہم اِس وسیع و عریض سرزمین میں علمی مجلسیں جگہ جگہ گرم تھیں۔ انہی ایّام میں پنجاب[1] (بالخصوص سیالکوٹ، لاہور وغیرہ) دہلی اور لکھنؤ میں کشمیریوں کی اچھی خاصی کالونیاں بن گئی تھیں۔ یہاں اب کشمیری مہاجروں کو بھی اپنی صلاحیتیں دکھانے کا موقعہ ملا۔ بہت جلد حال یہ ہوا کہ لکھنؤ اور دہلی میں علماءِ کشمیر کا طوطی بولنے لگا اور کسی بھی غیر کشمیری عالم نے ان کے علم و فضل میں شک کا اظہار نہ کیا۔ جس زمانے میں شاہ عبدالعزیز دہلوی کی "تحفۂ اثنا عشریہ" شیعہ اور سُنّی علماء کے درمیان زبردست موردِ بحث بن گئی تھی تو دونوں طرف کشمیری علماء موجود تھے۔ شیعہ علماء کی طرف سے مولانا محمد بن عنایت اور سنّیوں کی طرف سے مولانا رشید الدین خاں صفِ اوّل کے مُناظر اور متکلّم شمار کئے جاتے تھے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ دونوں فضلاء کشمیری تھے۔ اسی طرح مفتی صدر الدین آزردہ بن مولانا لطف اللہ کشمیری اپنے وقت کے جلیل القدر فقیہہ، ادیب اور محدّث تھے۔ علاّمہ تفضّل حسین خان کشمیری علومِ عقلیہ بالخصوص جبر و مقابلہ میں علاّمۂ وقت اور فاضلِ یگانہ تھے۔ مولانا عبدالرشید شوپیانی کشمیری

---

[1] علاّمہ اقبال، کسی زمانے میں سیالکوٹ میں "انجمن کشمیری مسلمانانِ پنجاب" کے جنرل سکریٹری تھے۔ ایک بار محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ اجلاس امرتسر میں زیرِ صدارت سر سلیم اللہ (نواب ڈھاکہ) منعقد ہوا۔ علاّمہ اقبال نے اس جلسے میں بلند آواز سے کہا:-

"پوشیدہ نیست کہ اسلافِ ما بغرضِ سیر و سیاحت و ترقی و تجارت و حصولِ روزگار راہِ غربت گرفتند و از خطۂ جنّت نظیر خویش اِنفراق نمودہ درین مملکت ہندوستان بر مقاماتِ مختلفہ اقامت ورزیدند"۔

(اقوامِ کشمیر۔ محمد الدین فوق ج ۱ ص ۳۲۸)

نواب صدیق حسن خان کے دربار میں سربرآوردہ فاضل کی حیثیت سے جانے جاتے تھے۔ مولانا انور شاہ محدث دیوبند کے صدر مدرس اور علوم اسلامیہ کے ایک متبحر عالم تھے۔ مولانا ثناء اللہ بن خضر جو کشمیری ثم الامرتسری علماء اہلِ حدیث میں جو مقام و مرتبہ رکھتے ہیں وہ اہلِ علم پر روشن ہے۔ اسی طرح شیخ صادق بن عباس کشمیری، شیخ صفدر رضوی کشمیری، ملّا علی بادشاہ۔ نواب معالج خاں دہلوی کشمیری، مولانا عبدالعزیز محدث لکھنوی کشمیری۔ مولانا ابوالقاسم حائری کشمیری وغیرہم کے فضائل و کمالات سے ہمارے قومی تذکرے پُر ہیں۔ یہ حضرات تاریخِ کشمیر کی زینت و آبرو تھے۔ انہوں نے تفسیر، حدیث، فقہ کلام، فلسفہ، منطق، جبر و مقابلہ، ادب و شعر، صرف و نحو اور عروض و قوافی میں کمال حاصل کیا۔ ان تمام علوم پر لکھا، اور جو کچھ لکھا اس میں اپنی مجتہدانہ بصیرت کا ثبوت دیا۔

---

# ضروری گذارش

ادارہ ندوۃ المصنفین کی ممبری یا برھان کی خریداری وغیرہ کے سلسلے میں جب آپ دفتر کو خط لکھیں یا منی آرڈر ارسال فرمائیں تو اپنا پتہ تحریر کرنے کے ساتھ ساتھ برہان کی چِٹ پر آپ کے نام کے ساتھ درج شدہ نمبر بھی ضرور تحریر فرمائیں۔ اکثر منی آرڈر کوپن پتہ اور نمبر سے خالی ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بڑی زحمت ہوتی ہے۔ (جنرل منیجر)

---

## ادارہ کے قواعد وضوابط مفت طلب فرمائیے۔